

انقلاب حسینی کی ترویج میں عنصر عقلانیت کا کردار

مؤلف: ڈاکٹر قدرت اللہ قربانی

مترجم: شبیبہ عباس خان

تحریک حسینی میں عنصر عقلانیت کے کردار کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کا مکتب تشیح کے طرز تفکر اور مسلمانوں کی دینی طرز زندگی سے گہرا تعلق ہے کیونکہ مکتب عاشورہ کی تعلیمات وہ تعلیمات ہیں جو پوری تاریخ میں شیعوں کی دینی، سیاسی، فکری اور عملی اعتبار سے رہنمائی کرتی رہی ہیں۔ اس کی تعلیمات ہمیشہ اپنے عقیدہ مندوں خصوصاً شیعوں کی سماجی و فردی حیات کو ایک نیا معنی دیتی رہی ہیں۔ اس کی تفصیل میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحریک عاشورہ کے تاریخی، کلامی، سیاسی اور اجتماعی پہلو اور شیعوں کی دینی حیات میں اس کے گہرے اثرات کی وجہ سے، اس کی عقلانیت کے سلسلہ میں اور زیادہ سوالات اٹھتے ہیں۔

لہذا اب یہ سوال بجا ہے کہ کیا عقلی لحاظ سے امام حسینؑ کی یہ ذمہ داری تھی کہ آپ معاشرے میں عدل و انصاف قائم کریں اور مظلوموں کے حقوق کو زندہ کریں یا آپ کی یہ ذمہ داری نہیں تھی۔ اور اگر آپ کا دینی فریضہ یہی تھا تو کیا معاشرے میں حقیقی عدالت قائم کرنے اور امت محمدیہ کے بگڑے حالات کی اصلاح کا واحد ذریعہ صرف قیام تھا؟ یا کسی دوسرے عقلانی طریقے کی بھی گنجائش تھی؟ کیا امامؑ کی ساری کوششیں صرف اس لئے تھیں کہ وہ کوفہ کو تصرف کر کے ایک اسلامی حکومت قائم کریں یا یہ کی حکومت کی تشکیل صرف ایک ابتدائی ہدف تھا تاکہ اس کے ذریعے آسانی ایک عادلانہ نظام قائم کر کے مسلمانوں کو حقیقی سعادت سے ہمکنار کریں۔ نیز یہ کہ اگر تشکیل حکومت میسر نہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ آپ کے شہید ہونے سے اور اہل بیت علیہم السلام کے اسیر ہونے سے معاشرے میں قیام عدالت کے ساتھ ساتھ بنی امیہ کی ظالمانہ حکومت بھی نابود ہو جائے۔

تحریکِ عاشورہ میں دینی عقلانیت

تحریکِ عاشورہ کے مطالعہ کے دوران ہمیں مختلف پہلو نظر آتے ہیں جن کا آپس میں گہرا تعلق بھی ہے۔ ان کے آپسی رابطے کو درک کرنے سے ہی تحریکِ عاشورہ کی عقلانیت نمایاں ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ سنہ ۶۰ ہجری کے ماہِ رجب کے آخری ایام میں معاویہ ابن ابوسفیان کے انتقال سے نہضتِ عاشورہ کا آغاز ہوا اور ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے باوفا اصحاب کی شہادت تک اس تحریک کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے جو کہ تقریباً پانچ ماہ کی ایک قلیل مدت ہے۔ اس عرصہ میں رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس مدت میں رونما ہونے والے واقعات میں امام سے یکساں ردِ عمل کی توقع بے جا ہے بلکہ مختلف حالات کے پیش نظر امام کا جو ردِ عمل تھا ان کے متعلق عقلانیت کو تلاش کیا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب خود نہضتِ عاشورہ کی اپنی ایک الگ عقلانیت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پانچ مہینے کی مدت میں معاشرے کے بدلتے حالات کے پیش نظر امام کا ردِ عمل یکساں نہیں تھا۔ بلکہ امام کی کوشش تھی کہ جیسے حالات سے روبرو ہوں اسی کے مطابق ایک عاقلانہ ردِ عمل اختیار کرتے ہوئے بہترین نتیجہ حاصل کریں۔ تیسرے یہ کہ ان تمام مرحلوں میں دینی عقلانیت کو سمجھنے کے لیے تین اہم عناصر کی طرف توجہ ضروری ہے، یعنی عقلانیت مقصد، اس مقصد کے حصول کے لئے اپنائے گئے طریقوں کی عقلانیت اور جو نتیجہ حاصل ہوا اس میں موجود عقلانیت۔ عقلانیت ہدف یعنی انقلابِ عاشورہ کے اہداف میں عقلانیت کا پایا جانا، ہدف تک پہنچنے کے لئے امام نے جس روش کا انتخاب کیا، اس روش میں عقلانیت کا پایا جانا اور وہ نتائج جو اس قیام سے حاصل ہوئے، ان نتائج میں عقلانیت کا پایا جانا۔ اور عقلانیت کے یہ تینوں عناصر امام کی گفتگو اور آپ کے عمل میں نظر آتے ہیں۔

معاویہ کے انتقال سے امام کے قیام تک

عملی طور پر امام کی تحریک کا آغاز اس وقت ہوا جب یزید نے نیمہ ماہِ رجب سنہ ساٹھ ہجری میں معاویہ کے انتقال کے بعد والی مدینہ ولید بن عتبہ کو فرمان جاری کیا کہ امام حسین اور بعض دیگر سربراہان اور وہ افراد سے اپنے لئے بیعت طلب کرے اور بیعت کا یہ مطالبہ اس صلح نامہ کے خلاف تھا جو یزید کے باپ معاویہ اور امام حسن علیہ السلام کے درمیان ہوا تھا اور امام حسن اپنے والد حضرت علیؑ کی جانب سے مسلمانوں کے خلیفہ برحق تھے۔ ولید کو یزید کی جانب سے حکم تھا کہ امام حسین سے بیعت لینے میں زرا بھی نرمی نہ دکھائے

اور ضرورت پڑنے پر آپ کی جان لینے سے بھی دریغ نہ کرے۔ جب امام کو اس مطالبہ کی خبر ملی تو آپ نے مرگ معاویہ کے متعلق حکومتی اعلان سے پہلے ہی اظہار فرمایا کہ لگتا ہے بنی امیہ کا طاغوت ہلاک ہو چکا ہے اور یہ بیعت کا مطالبہ اس کے بیٹے یزید کے لئے ہے۔ بعض منالغ کے مطابق یزید نے حاکم مدینہ کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ اگر امام حسینؑ اور دیگر افراد اس کی بیعت سے انکار کریں تو وہ انہیں قتل کر دے۔ امام حسینؑ بھی موجودہ حالات کے پیش نظر اسی نتیجے پر پہنچے تھے جو کہ کلاً معقول ہے لہذا دربار ولید جاتے وقت اپنے خاندان کے کم سے کم تیس جوانوں کو مسلح کر کے اپنے ہمراہ لے گئے اور انہیں حکم دیا کہ باہر آپ کے اشارے کے منتظر رہیں تاکہ ضرورت کے وقت آپ کے دفاع کے لیے حاضر ہو سکیں۔

حاکم مدینہ سے گفتگو کے دوران جب آپ بیعت یزید کے مطالبے سے روبرو ہوئے تو ایک معقول روش اپناتے ہوئے آپ نے یہ جواب دیا کہ بیعت کا کام مخفی طور پر انجام نہ دیا جائے اور حاکم مدینہ کو ہماری اس مخفیانہ جلسہ سے راضی نہیں ہونا چاہیے بلکہ جب تمام اہل مدینہ کو یزید کی بیعت کے لئے بلایا جائے تو ہم بھی اس وقت حاضر ہوں اور قصد بیعت کی صورت میں ہم بھی یزید کی بیعت کریں چونکہ خلیفہ کے لئے بیعت لینے کا عمل عوام میں اس کی مقبولیت کا باعث ہے لہذا اس عمل کو مخفی طور پر انجام دینے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔^۲

حاکم مدینہ کے مطالبہ بیعت کے جواب میں امام کا یہ عقلمندانہ جواب بہت اہمیت کا حامل ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ امام نے اس احتمالی خطرہ کو جس سے آپ روبرو تھے نہایت عقلمندی سے ٹال دیا۔ دوسرے یہ کہ پہلے ہی مرحلے میں اجمالی طور پر آپ نے یہ اشارہ کر دیا کہ آپ یزید کی بیعت کرنے والوں میں نہیں ہیں اور اپنے آخری فیصلے کو اہل مدینہ کے جمع ہونے تک ٹال دیا۔ امام کی اسی مصلحت اندیشی کے نتیجے میں ولید کے دربار میں کسی طرح کا کوئی ناخوشایند واقعہ پیش نہیں آیا لیکن امام جب دربار سے نکلنے لگے تو مروان بن حکم جو کہ وہاں پہلے سے موجود تھا، اس نے ولید کو یہ اشارہ کیا کہ اگر حسینؑ اس وقت بیعت کئے بغیر یہاں سے نکل گئے تو تو ہر گز ان سے بیعت نہ لے سکے گا لہذا بہتر یہی ہے کہ اسی وقت حسینؑ سے بیعت لے لے اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم کر دے۔ مروان کی اس فتنہ انگیز گفتگو کی وجہ سے امام حسینؑ سخت لہجہ

۱۔ خوارزمی، احمد، مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۱۸۴

۲۔ ابن طاووس، رضی الدین علی بن موسیٰ، لہوف، ص ۱۹

اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور اسے خطاب کر کے صریح طور پر یہ اعلان کر دیا کہ یزید جیسے فاسق و فاجر شخص کی بیعت ممکن نہیں ہے۔^۱

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولید کے لئے امام کا لہجہ نرم تھا جب کہ مروان کے لئے آپ کا انداز بیابان نہایت قہر آمیز تھا چونکہ ولید حاکم مدینہ ہونے کے باوجود اہل بیت پیغمبر خصوصاً امام حسینؑ کا پاس و لحاظ رکھتا تھا، اسی لئے اس نے امامؑ کی شان میں کوئی جسارت یا گستاخی نہیں کی جب کہ مروان بن حکم کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح یا تو امامؑ سے بیعت لے لی جائے یا پھر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ امام حسینؑ نے اپنے دونوں دشمنوں کے مقابل دو مختلف اور معقول رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ اور آپ نے ولید کے سوال بیعت پر نرمی سے جواب دیتے ہوئے اسے آئندہ پر نال دیا لیکن مروان کے روبرو جو کہ آپ کا کھلا دشمن تھا صریحی طور پر یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔

یاد رہے کہ ابھی اہل کوفہ کی جانب سے کوئی ایسا خط امامؑ تک نہیں پہنچا ہے جس میں آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی ہو، تو ایسے موقع پر امامؑ کے اس اصلاحی قیام کا پہلا معقول ہدف یزید جیسے فاسد اور ظالم حاکم کی بیعت نہ کرنا ہے اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے آپ نے آشکارا طور پر یزید کے ظلم و ستم کو بیان کیا۔ ایک طرف حکومت کا امامؑ سے بیعت لینے پر اصرار اور دوسری طرف امامؑ کا بیعت سے انکار، ان مسائل کے پیش نظر امامؑ کا مدینہ سے ہجرت کرنا اور مکہ معظمہ جیسی پر امن جگہ کو وقتی طور پر اپنے لیے رہائش گاہ قرار دینا، امامؑ کی جانب سے ایک عقلانی اور فطری رد عمل ہے۔ ان حالات میں اس سے بہتر کوئی اور راہ حل متصور نہیں ہے۔

محمد بن حنفیہؑ کو امامؑ کی وصیت

محمد بن حنفیہؑ سے امامؑ کی وصیت بھی اسی تحریک کا ایک حصہ ہے جس میں امامؑ نے اپنے بھائی کے سوال کے جواب میں اپنی اصلاحی تحریک کے اہداف کو بخوبی بیان کیا ہے۔ محمد بن حنفیہؑ انکار بیعت کے آثار و نتائج سے مضطرب اور پریشان تھے لہذا انہوں نے امامؑ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ مکہ جانے سے پرہیز کریں، وہ جگہ آپ کے لئے امن کی جگہ نہیں ہو سکتی۔ آپ دور دراز کے کسی علاقے میں جا کر لوگوں کو حق کی دعوت

۱۔ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۱۸۴؛ لہوف، ص ۱۹؛ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار (جلد ۴۴)، ص ۳۲۵

دیں اور ان کی مدد سے اپنی تحریک کو کامیاب بنائیں۔ اور اگر لوگوں نے آپ کا ساتھ دینے سے انکار بھی کیا تو بھی آپ ہر طرح کے خطروں سے محفوظ رہیں گے۔ محمد بن حنفیہ کے جواب میں امام نے اس بات پر تاکید کی کہ یزید کی بیعت سے انکار کے بعد اب آپ کسی بھی جگہ محفوظ نہیں ہیں اور امام کی یہ رائے اور آپ کی یہ شخصیت بالکل صحیح تھی اور بعد کے واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ امام حسینؑ اپنے بھائی کے خیر خواہانہ مشورے کا احترام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فی الحال میرے لئے سب سے مناسب جگہ مکہ ہے اور محمد بن حنفیہ کو یہ ذمہ داری سونپتے ہیں کہ مدینے میں بنی امیہ کے جاسوسوں کی خفیہ آمد و رفت سے انہیں باخبر کرتے رہیں۔ اور اپنے وصیت نامے کو ان کے سپرد کرتے ہوئے مکہ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ آپ کا وہی معروف وصیت نامہ ہے جس میں آپ نے اپنی اصلاحی تحریک کے اہداف کو بیان کیا ہے۔ اس وصیت نامہ میں امام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ آپ کی تحریک کا ہدف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اپنے جد کی امت کی اصلاح، سنت محمدیہ کا احیا اور اپنے والد کی سیرت کو زندہ کرنا ہے۔^۱

اس وقت کے حالات میں امام حسینؑ نے اپنے اس تاریخی اور عقلائی وصیت نامہ میں جن امور پر تاکید کی ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اصلاح امت ہے اور ان عالی اہداف کے تحقق کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگا دینا صرف بزرگان قوم و ملت ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے ہر حریت پسند و عدالت خواہ انسان کا فریضہ ہے۔ خواہ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لئے اسلامی حکومت کی تشکیل ہو یا آپ اور آپ کے بہترین اصحاب کی جانوں کا نذرانہ ہی کیوں نہ دینا پڑے کیونکہ ان مقدس اور انسان ساز اہداف کا زندہ کرنا ضروری ہے خواہ وہ تشکیل حکومت کے ذریعہ ہو یا شہادت سے کیونکہ جو لوگ الہی نگاہ رکھتے ہیں وہ زندگی کو مادی حیات میں محدود نہیں سمجھتے، ان کے لئے شہادت حماقت نہیں بلکہ عقلائییت کی دلیل ہوتی ہے اور شہادت ناکامی نہیں بلکہ سعادت مند کی مظہر ہے۔

مکہ میں قیام سے کوفہ کی جانب روانگی تک

شہر مکہ میں امام حسینؑ کے قیام کے دوران آپ کی گفتار و کردار عقلائییت سے سرشار ہے۔ آپ اپنے خطوط کے ذریعہ مکہ سے ہی دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو اپنے قیام سے ملحق ہونے کی

۱۔ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۲۷۳؛ بحار الانوار (جلد ۴۴)، ص ۳۲۹

دعوت دیتے ہیں اور اپنے قیام کے اسباب و اہداف اور اموی حکومت کے ظلم و ستم کو بھی آشکار کرتے ہیں۔ اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں آپ نے جو خط تحریر کیا یا اہل بصرہ کے لئے جو آپ نے خطوط بھیجے ان سے ان باتوں کو بخوبی درک کیا جاسکتا ہے۔ اہل بصرہ کے لئے امام نے جو خطوط لکھے ہیں، اس میں حکومت کے لئے اپنی شائستگی اور لیاقت کو بیان کرتے ہوئے ان لوگوں کو کتاب خدا و سنت پیغمبر پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کرتے ہیں تاکہ وہ حقیقی سعادت سے ہم کنار ہو سکیں۔ سرکار سید الشہداء نے اپنے بعض خطوط میں اہل بصرہ کو یوں خطاب کیا ہے:

”میں اپنے قاصد کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ تم لوگوں کو کتاب خدا و سنت پیغمبر پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ ہم ایسے حالات سے دوچار ہیں جس میں سنت پیغمبر مٹ چکی ہے اور اس کی جگہ بدعتیں رواج پا رہی ہیں۔ اگر تم میری باتوں کو سنو اور میری آواز پر لبیک کہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سعادت مندی تمہارے قدم چومے گی اور تمہاری ہدایت کا میں ضامن رہوں گا۔“

امام کے یہ الفاظ واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اہل بصرہ کو اپنی مدد کے لیے دعوت دینے سے امام کا ہدف اگر شہر کوفہ کی تسخیر اور حکومت کی تشکیل بھی ہو تو بھی یہ ایک ابتدائی اور تمہیدی ہدف ہو گا تاکہ اس کے ذریعہ اصلی اور واقعی ہدف کو حاصل کیا جاسکے جو کہ کتاب خدا پر عمل اور پیغمبر اکرم کی فراموش شدہ سنت کا احیاء ہے۔ امام حسین کے ان خطوط سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی نہضت کا اصلی اور محوری ہدف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

عقلانیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو رہبر و پیشوا ظالم حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے، وہ اپنی تحریک کی تقویت کرے اور اپنے ساتھیوں کی قوت سے فائدہ اٹھائے لہذا امام نے بھی مکہ میں قیام کے دوران اہل کوفہ کی جانب سے خطوط کے سیلاب کے باوجود، دوسرے شہروں کے لوگوں کو خطوط لکھے اور انہیں تحریک سے ملحق ہونے کی دعوت دی جو کہ ایک خرد پسندانہ اور عاقلانہ جدوجہد ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ امام اپنے ان خطوط اور خطبوں میں مسلسل اس بات پر زور دیتے ہیں کہ لوگوں کی ہدایت کرنے اور ظالمانہ حکومت

۱۔ نجفی، محمد صادق، سخنان امام حسین از مدینہ تا کربلا، ص ۷۳

کے خلاف قیادت کا حق صرف اور صرف اہل بیت رسول کو ہے۔ ان تعبیرات سے یہ پیغام ملتا ہے کہ امامؑ کی نگاہ اپنے زمانے کی امامت و رہبری تک محدود نہیں ہے بلکہ مستقبل میں بھی ہدایت کا کام اور ظالمانہ حکومت کے خلاف قیام کی باگ ڈور اہل بیت رسول کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے۔

امام حسینؑ کا ایک اور خط جو آپ کے اصلاحی قیام کی پیشرفت میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، وہ خط تھا جسے آپ نے اہل کوفہ کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا۔ اہل کوفہ نے اپنے خطوط میں تشکیل حکومت کے لئے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ اہل کوفہ نے بنی امیہ کے حکمرانوں کے ظلم سے تنگ آ کر آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی تاکہ آپ کوفہ آ کر قرآن و سنت کی بنیاد پر ایک اسلامی حکومت قائم کریں اور بنی امیہ کے بڑھتے ظلم و ستم کا سدباب کریں۔ کوفہ والوں کی جانب سے تقریباً اٹھارہ ہزار خطوط امامؑ کی خدمت میں بھیجے گئے جن میں ان لوگوں نے امامؑ کی ہر طرح سے نصرت و حمایت کا وعدہ کرتے ہوئے آپ سے کوفہ آنے کی درخواست کی۔ ایسے موقع پر امامؑ کی دینی غیرت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مظلوموں کی حمایت اور ان کے احقاق حق کے لیے پیش قدم ہوں لیکن کوفہ کی طرف روانگی سے پہلے ان کے وعدوں کی سچائی کے بارے میں تحقیق کرنا اور حقیقت امر سے آگاہ ہونا بھی ضروری تھا، لہذا امام حسینؑ نے کوفہ والوں کے جواب میں اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور امامؑ کو باخبر کریں۔^۱

امامؑ کا یہ رد عمل ہر قسم کے جذبات سے عاری اور ہر طرح سے عقلی معیار کے مطابق تھا کیونکہ امام علیہ السلام نے شروع میں نہ تو کوفہ والوں کی درخواست کو رد کیا اور نہ ہی ان کے خطوط کی بنیاد پر کوفہ جانے کا قصد کیا بلکہ کوئی موثر قدم اٹھانے سے پہلے اپنے سفیر کو بھیجا تاکہ اہل کوفہ کی وفاداری یا بے وفائی کو پرکھا جاسکے۔ امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے خطوط کے سیلاب کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا اسے اپنے سفیر مسلم بن عقیل کے ہاتھوں کوفہ بھیجا۔ اہل کوفہ کی وہ ساری خیانتیں اور کوتاہیاں امامؑ کے سامنے تھیں جن کا ان لوگوں نے مولائے کائنات اور آپ کے بھائی امام حسنؑ کے دور حکومت میں ارتکاب کیا تھا لہذا عقلمندی کا تقاضا یہ تھا کہ اہل کوفہ کی درخواست کے جواب میں سب سے پہلے ان کے دعوے کی سچائی کو پرکھا جائے۔

۱۔ ابن اثیر، عزالدین علی بن محمد الکامل (جلد ۳)، ص ۲۶۷؛ مفید، محمد بن محمد بن نعمان، الارشاد، ص ۲۰۴

اسی لئے سب سے پہلے امام حسینؑ علیہ السلام نے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ کوفہ کے صحیح حالات سے امام کو باخبر کریں۔

مسلم بن عقیل جب کوفہ پہنچے تو کوفہ کے حالات ویسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے اپنے خطوط میں تحریر کیا تھا اور عبید اللہ بن زیاد کے کوفہ آنے تک وہ امام حسینؑ کے حامی و طرفدار تھے۔ اگر کوفیوں کا یہ جوش و خروش اسی طرح باقی رہتا تو امام حسینؑ جنہوں نے ایک مصلح دینی کے عنوان سے قیام کیا تھا، کا دینی فریضہ بنتا تھا کہ وہ اہل کوفہ کی حمایت کے لئے پیش قدم ہوں۔

جناب مسلم بن عقیل نے شہر کوفہ کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے امام حسینؑ کو تحریر فرمایا کہ اہل کوفہ جان و دل سے آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کی آمد کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں اور امام حسینؑ بھی اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ امام حسینؑ کا ہر قول و فعل عقلانیت کی بنیاد پر تھا۔ ظاہری حالات و واقعات کے پیش نظر خصوصاً جناب مسلم کی تائید کے بعد امام کا کوفہ کی جانب روانہ ہونا ایک عقلی اور منطقی عمل تھا چونکہ ابن زیاد کے کوفہ آنے تک ایسا لگتا تھا کہ شہر کوفہ کے حالات امام کے حق میں ہیں اور اہل کوفہ اپنی دعوت میں سچے ہیں لہذا آپ کا دینی فریضہ یہی تھا کہ آپ اہل کوفہ کی مدد اور نصرت کریں اور ماضی میں مولائے کائنات اور امام حسنؑ کے ساتھ بے وفائی اور خیانت کی وجہ سے آج انہیں تہمانہ چھوڑیں۔ اگر آپ ان حالات میں اہل کوفہ کی حمایت کرنے سے انکار کر دیتے تو اس انکار کے لئے نہ کوئی معقول وجہ تھی اور نہ ہی اس کا کوئی دینی جواز تھا۔ حتیٰ آپ کے قیام کے اصلاحی ہونے پر بھی حرف آجاتا۔ اور دنیا کا ہر حریت پسند اور عدالت طلب شخص آپ کے اس انکار کو شک کی نگاہ سے دیکھتا۔

امام کا لشکر حر سے سامنا

امام حسینؑ کی گفتار و کردار میں عقلانیت کی ایک اہم مثال آپ کا وہ مختصر خطبہ ہے جسے آپ نے مکہ سے کوفہ کے راستے میں لشکر حر سے سامنا ہونے پر ارشاد فرمایا۔ حر کے لشکر نے جب آپ کو کوفہ جانے سے روکا تو آپ نے فرمایا:

”اے لوگو! میں تم پر اتمام حجت کرنے، اپنا دینی فریضہ ادا کرنے اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے نکلا ہوں۔ میں تمہاری جانب اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں بلکہ تم لوگوں نے خطوط پر خطوط لکھ کر مجھے آنے پر مجبور کیا ہے، کہ ہمارا کوئی رہبر نہیں ہے،

ہمارا کوئی پیشوا نہیں ہے۔ آپ ہماری مدد کو آئیے۔ آپ ہماری دعوت کو قبول کیجئے اور ہماری قیادت کے لئے جتنی جلدی ہو سکے تشریف لے آئیے تاکہ خداوند متعال آپ کے ذریعہ ہماری ہدایت اور رہبری فرمائے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور اپنی وفاداری کے پابند ہو تو میں تم تک آچکا ہوں۔ آؤ ہمارے ساتھ عہد و پیمانہ محکم کرو اور اپنی اطاعت اور تعاون سے ہمیں مطمئن کرو اور اگر تمہارے ارادے بدل چکے ہیں اور تم ہمارے آنے سے راضی نہیں ہو تو میں اب بھی واپس جانے کو تیار ہوں۔“^۱

امامؑ کے اس مختصر سے خطبے کے جواب میں کوئی کچھ نہ بولا۔ لشکرِ حر میں کوئی ایسا نہیں تھا جو آگے آتا اور کہتا کہ ہم نے آپ کو دعوت نہیں دی ہے اور آپ ہماری مدد کو کیوں آئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ نمازِ عصر کے بعد بھی امامؑ نے ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا جس سے امامؑ کی اصلاحی تحریک کی حقانیت اور عقلا نیت کے دیگر ابعاد بھی آشکار ہوتے ہیں۔ امام حسینؑ فرماتے ہیں:

”اے لوگو! خدا کا خوف کرو اور اس بات کو قبول کرو کہ حق اہل حق کے پاس ہی رہے۔ اسی میں اللہ کی خوشنودی اور رضا ہے۔ ہم اہل بیت رسول لوگوں کی رہبری اور ولایت کے لئے ان لوگوں (بنی امیہ) سے زیادہ شائستہ اور سزاوار ہیں جو نا حق اس مقام ولایت کے دعوے دار ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیشہ سے خدا سے دشمنی اور بندگانِ خدا پر ظلم کرنے کی راہ اپنائی ہے۔ اگر تم لوگوں نے جو فیصلہ کیا ہے اسی پر قائم ہو اور ہم سے منہ موڑ لیا ہے اور ہمارے حق کو بھلا دیا ہے تو میں یہیں سے واپس چلے جانے کو تیار ہوں۔“

امامؑ کے خطبے کا مضمون یہ ہے کہ آپ نے دنیا کی لالچ میں نہیں بلکہ انسانی فطرت اور الہی تعلیمات کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے اہل کوفہ کی صدائے مظلومیت پر لبیک کہی ہے اور اس پر خطر سفر کو اختیار کیا ہے، نیز اہل کوفہ کے خطوط بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ اس پر آشوب ماحول میں ان کی ہدایت و رہبری اور رستگاری اور سعادت کے لئے آپ سے بہتر کوئی اور نہیں ہے لہذا یہاں تک اصل حریت پسندی اور عدالتِ طلبی نیز الہی تعلیمات کی رو سے آپ کا دینی فرض تھا کہ آپ ان کی درخواست کو قبول

۱۔ مقتلِ الحسین (جلد ۱)، ص ۲۳۱؛ الارشاد، ص ۲۲۴

کرتے ہوئے ان کی مدد کو کوفہ پہنچیں لیکن جب کوفہ کے حالات کلی طور پر دگرگوں ہو گئے اور خود آپ کو دعوت دینے والوں نے ہی اپنا رنگ بدل دیا اور کوفہ آنے سے روک دیا تو ایسی صورت میں کوفہ والوں کے لئے آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں بنتی لہذا آپ نے کوفہ جانے کے بجائے لوٹ جانے کی بات پیش کی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ پورے لشکرِ حرمین سے صرف حر یہ کہنے کی جرات کر سکا کہ مجھے ایسے خطوط کی کوئی اطلاع نہیں ہے جس میں آپ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی ہو جب کہ لشکر کے باقی افراد انکار کی بھی جرات نہ کر سکے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حر کے لشکر میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہ تھی جنہوں نے خود امام کو کوفہ آنے کے لئے خط لکھا تھا۔

کاروانِ امام کے ساتھ ساتھ سپاہِ حر بھی روانہ ہوا تاکہ امام پر نظر رکھ سکے۔ منزل بیضہ میں ایک بار پھر امام کے لئے یہ موقع فراہم ہوا کہ آپ اپنے قیام کے اہداف کو لشکر کوفہ کے سامنے بیان کریں۔ آپ حر کے سپاہیوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

”اے لوگو! میں نے اپنے جد سے سنا ہے جس مسلمان کا بھی سامنا ایسے ظالم حکمراں سے ہو جو حرامِ خدا کو حلال اور عہدِ الہی کو پامال کرتا ہو اور سنتِ رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور گناہ و معصیت کا دلدادہ ہو اور کوئی اپنے قول و فعل سے اس کی مخالفت کا اظہار نہ کرے تو خدا کو حق ہے کہ ایسے لوگوں کو اسی حکمران کے ساتھ آتشِ جہنم کے حوالے کر دے۔“

”اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ ان لوگوں نے اطاعتِ خداوند کو پس پشت ڈال دیا ہے اور شیطان کی اتباع اور پیروی کو اپنا فریضہ سمجھ لیا ہے۔ معاشرے میں فساد کو بڑھاوا دینے والے اور حدودِ الہی کو معطل کرنے والے ہیں اور فیئ (وہ مال جو خاندانِ پیغمبرؐ سے مخصوص ہے) کو اپنا ذاتی مال سمجھ لیا ہے۔ حلال و حرام اور اوامر و نواہیِ خداوند کو تبدیل کر دیا ہے۔ اسلامی معاشرے کی رہبری و ولایت کا حق مجھے ہے نہ کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ہمارے جد کے دین کو بدل ڈالا ہے۔ ان حقائق سے قطع نظر، تمہارے ان خطوط کے مضامین جو تم نے ہمیں ارسال کیا ہے اور تمہارے ان پیغامات کا مفہوم جو تم سے ہم تک پہنچا ہے، سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے میری بیعت کی ہے، تم نے ہم سے عہد کیا ہے کہ میں تم لوگوں کو دشمن کے مقابل تہانہ چھوڑوں اور تمہاری مدد میں کوتاہی نہ کروں۔ ابھی بھی تم لوگ اگر اپنے

عہد و پیمان پر باقی رہو اور میرے وفادار رہو تو سعادت و کامیابی تمہارے قدم چومے گی کیونکہ میں حسین بن علی تمہارے نبی کا نواسہ اور علی کا فرزند ہوں۔ میرا وجود تم مسلمانوں سے الگ نہیں ہے۔ تمہارے بچے ہمارے بچوں کی طرح اور تمہارے اہل خانہ ہمارے اہل بیت کی طرح ہیں۔ تم لوگوں کو میرا ساتھ دینا چاہیے۔ تمہارے لئے میں نمونہ عمل ہوں۔ اگر تم لوگ ہمارا ساتھ نہیں دو گے اور اپنی بیعت توڑ دو گے اور بے وفائی کرو گے تو خدا کی قسم تمہارا یہ عمل ہمارے لئے نیا نہیں ہوگا کیونکہ اس سے پہلے بھی تم ہمارے بابا علی اور ہمارے بھائی حسن کے ساتھ بے وفائی کر چکے ہو۔ تم لوگوں نے ان کے ساتھ بھی غداری کی اور پیمان شکنی کی۔ پس فریب خوردہ شخص وہ ہے جو تمہاری باتوں میں آئے اور تمہارے ظاہری عہد و پیمان پر اعتماد کرے۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنا حق لینے کے لیے غلط راستہ اختیار کرتے ہیں۔ تم لوگوں نے بہت آسانی سے اپنا حق کھو دیا۔ جو بھی پیمان شکنی کرتا ہے، درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میری خدا سے یہی دعا ہے کہ مجھے تم جیسے لوگوں کا محتاج نہ بنائے۔^{۱۳}

امام کے اس خطبے میں ہر پہلو سے عقلائییت جھلک رہی ہے۔ امام نے لشکرِ حر کے سامنے یہ خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب ظاہری اسباب و علل اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ اب عسکری فتح و ظفر ممکن نہیں ہے۔ دوسری جانب کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کے جاسوسوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ امام ایک باغی ہیں۔ ان حالات میں بھی امام حسین نے نہ صرف حکومت بنی امیہ کی مشرور عیت کا انکار کیا بلکہ احادیث پیغمبر سے استناد کرتے ہوئے جو کہ لشکرِ حر کی نگاہ میں بھی معتبر ہے، بنی امیہ کی فاسد بنیادوں پر بھی حملہ کیا۔ اور صرف لشکرِ حر کی مذمت پر اکتفا نہیں کی جو اس وقت بنی امیہ کی اطاعت میں تھے بلکہ ہر اس انسان کی سرزنش کی جو حکامِ جور کے ساتھ ہو یا ان کے ظلم و ستم کے سامنے سکوت اختیار کرتا ہو۔ اور آپ ان کے اس فتنجِ اعمال کے نتائج سے بھی انہیں آگاہ کرتے ہیں۔

۱۔ مقتلِ الحسین (جلد ۱)، ص ۲۲۹؛ الکامل (جلد ۳)، ص ۲۸۰

چنانچہ ایسے حالات میں امام اور امام کے باوفا اصحاب کے گرد خطرات منڈلانے لگتے ہیں اور شہادت سے نزدیک ہو جاتے ہیں۔ امام حسینؑ نے اپنے خطبے میں ایک طرف اپنے قیام کی سلبی ماہیت یعنی حکومت بنی امیہ کے سیاہ چہرہ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور دوسری جانب اپنے قیام کی نورانی ماہیت کو بھی بیان کیا یعنی لوگوں کی ہدایت اور حقیقی سعادت کا ذمہ دار کوئی ہے تو وہ صرف امام اور اہل بیت رسول ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ پیغمبرؐ سے آپ کو کیا نسبت ہے اسے بھی یاد دلاتے ہیں تاکہ آپ کی حقانیت کو لوگ سمجھ سکیں۔ مختصر یہ کہ امام کا یہ خطبہ از روی ناچاری و تنہائی نہیں ہے بلکہ اتمام حجت کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو آپ کے مرتبے سے آگاہ ہونے کے باوجود بنی امیہ کے خوف سے آپ کے ساتھ بے وفائی کر کے جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنا رہے ہیں۔

کربلا کی آمد پر امام کا خطبہ

سرزمین کربلا میں وارد ہونے کے بعد امام نے جو خطبہ دیا ہے وہ عقلا نیت کے اعتبار سے نہایت حکیمانہ اور پند آموز ہے۔ گویا آپ اسی دن کے منتظر تھے کہ آپ کا سامنا اس سرزمین پر ایسے لوگوں سے ہو۔ آپ ایک مختصر خطبے میں یوں فرماتے ہیں:

” ہمارے حالات یہی ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ زمانہ پوری طرح سے دگرگوں ہے۔ برائیاں آشکار اور نیکیاں اور انسانی فضائل معاشرے سے محو ہو چکے ہیں مگر پانی کے ان چند قطروں کی طرح جو ظرف کے تہہ میں بچ جاتے ہیں۔ لوگ ننگ و عار کی زندگی جی رہے ہیں، نہ تو حق پر عمل کرتے ہیں اور نہ باطل سے منہ موڑتے ہیں۔ ایسے ذلت بار ماحول میں بہتر ہے با ایمان اور با ضمیر شخص فداکاری اور جانبازی کی راہ کو اختیار کرے اور اپنے پروردگار کے فیض دیدار کی جانب پیشگام ہو۔ میں ایسے بے دین اور مردہ ضمیر ماحول میں موت کو ہی سعادت و کامیابی سمجھتا ہوں اور ان ظالموں اور ستمگروں کے ساتھ زندہ رہنا ننگ و عار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بے شک لوگ مادی دنیا کے غلام اور اسیر ہیں۔ دین صرف ان کی زبانوں پر ہے۔ دین اور انسانیت کی طرفداری صرف اس وقت تک کرتے ہیں جب تک ان کے فانی

عیش و آرام میں خلل نہ پڑے۔ اور جب ان کے امتحان اور آزمائش کا مرحلہ آتا ہے تو حقیقی دین داروں کی تعداد بہت کم نکلتی ہے۔^۱

امام کا یہ درد مندانہ خطبہ اس زمانے کے لوگوں کی حقیقی شناخت کا پتہ دیتا ہے۔ ابھی جب کہ رحلت پیغمبرؐ کو تقریباً پچاس برس گزرے ہیں، آپ کی سنت مسخ کر دی گئی اور اسلامی اقدار و فضیلتوں کو ذایل میں شمار کیا جانے لگا۔ بنی امیہ کی فاسد حکومت کی یہی کوشش ہے کہ اسلام کو بالکل مٹا دیا جائے۔ لوگوں میں روح ایمان ختم ہو چکی ہے اور وہ زبوں حالی اور پستی کا شکار ہیں۔ دین کے نام پر ان کے پاس سوائے الفاظ کے کچھ اور نہیں ہے۔ زمانے میں انسانی فضائل مٹ چکے ہیں اور رذائل کو بنام فضائل معاشرے میں رواج دیا جا رہا ہے، تو ان حالات میں امام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے قیام کرنا درحقیقت بنی امیہ کی فاسد حکومت کے خلاف شورش اور بغاوت ہی سمجھی جائے گی۔ اب ایسے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اموی حکام اسلام محمدی کا اصلی چہرہ مسخ کر کے اس کی جگہ اموی اسلام کی ترویج کر رہے ہیں۔ ایسے معاشرے میں امام کے بقول زندگی جینے کے لائق نہیں ہے، خصوصاً اگر یہ حیات فاسد حکومت کی خدمت میں صرف ہو رہی ہو اور موت کو گلے لگانا بہتر ہے اس ذلت کی زندگی سے جو ظالموں کی فرمانبرداری میں بسر ہو کیونکہ حق کی جگہ باطل نے لے لی ہے۔

امام علیہ السلام اپنے خطبے میں اس معاشرے کی باطنی خباثت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ جس کی پستی و زبوں حالی کے ذمہ دار بنی امیہ تھے۔ لوگوں نے خود اپنی حمایت اور مدد کے لیے امام کو دعوت دے کر بلایا لیکن عبید اللہ ابن زیاد کے آتے ہی اس کے ساتھ ہو گئے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کی حمایت میں تلوار کھینچ کر امام کے مقابل آگئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بنی امیہ کے خلاف پرچم بغاوت بلند کیا، عدالت خواہی کا نعرہ لگایا، امام کو اپنی نصرت کے لئے دعوت دی لیکن جب ان کی مادی زندگی پر خطرات منڈلانے لگے تو راہ حق میں جاں فشانی کرنے کے بجائے دبک کر بیٹھ گئے۔

امام کے اس خطبے نے ہر دور کے زبانی دینداروں کی قلعی کھول دی اور حقیقی دینداری کے معیار کو قیامت تک کے لئے واضح کر دیا۔ یعنی شریعت کے صرف ظاہری آداب کو بجالانا جیسے کہ نماز، روزہ، حج،

۱۔ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۲۳؛ لہوف، ص ۶۹؛ حرانی، حسن بن شعبہ، تحف العقول، ص ۱۷۴

زکات وغیرہ حقیقی دینداری نہیں ہے کیونکہ اہل کوفہ بھی شریعت کے ان امور کو کم و بیش انجام دیتے تھے بلکہ دینداری اور دینداری کا معیار صرف یہ ہے کہ انسان پر خطر ماحول اور سخت حالات میں دینی اصولوں کا پابند رہے لہذا دینی عقلانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ہر دور میں دین کے بنیادی فضائل کو دل سے لگائے رکھیں اور چند روزہ دنیاوی زندگی کی خاطر اپنی آخرت کا سودا نہ کریں اور لوگوں کی ظاہری دینداری کو دیکھ کر انہیں دیندار نہ سمجھیں اور کبھی بھی ان کے وعدوں پر بھروسہ نہ کریں۔

عاشرے کے روز امام کا پہلا خطبہ

روز عاشر جیسا اہم اور تاریخ ساز دن، امام کے گفتار و کردار میں موجود عقلانیت و فراست کو سمجھنے میں نہایت موثر ہے۔ امام نے پہلا خطبہ لشکرِ عمر سعد کے سامنے ایسے عالم میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ آپ پر پانی بند کئے ہوئے ہیں اور ہر لمحہ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں۔ ایسے تاریک ماحول میں امام حسینؑ لشکرِ عمر سعد کی جانب سے ہونے والے شور و غل کو خاموش کرتے ہوئے اپنا تعارف کراتے ہیں۔ اور ایک بار پھر ان کو ان کے دعوت ناموں کی یاد دلاتے ہیں اور ان پر اتمام حجت کرتے ہیں تاکہ بعد میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ ہم کس سے جنگ کر رہے ہیں۔ امام نے لشکرِ عمر سعد کو خطاب کر کے با آواز بلند فرمایا:

”اے لوگو! ہماری باتوں کو سنو اور ہمارے قتل میں جلدی نہ کرو تاکہ میں اپنے دینی فریضہ کو جو کہ نصیحت و موعظہ ہے، انجام دے سکوں اور اپنے سفر کے اہداف کو ایک بار پھر تم تک پہنچا سکوں۔ اگر ہمارے دلائل کو مانو اور انصاف سے کام لو تو یقیناً اسی میں تمہاری سعادت ہے اور مجھے قتل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اگر ہماری بات ماننے سے انکار کرتے ہو اور انصاف سے کام نہیں لیتے ہو تو یہ جان لو کہ تم اپنی تعداد میں جتنا چاہے اضافہ کر لو اور مل کر جو بھی فیصلہ کر لو، یقیناً وہ فیصلہ باطل ہی ہوگا۔ میں تم پر یہ بات پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ میرا یار و مددگار وہ خدا ہے جس نے قرآن کو نازل کیا اور تمام مظلوموں اور نیک لوگوں کا حامی و مددگار ہے۔“

۱۔ اکامل (جلد ۳)، ص ۲۸۷؛ الارشاد، ص ۲۳۴؛ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۲۵۳

اس خطبہ میں امامؑ کی یہی کوشش ہے کہ لشکر عمر سعد کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کس کے قتل کے لئے صف آرا ہیں۔ ان لوگوں پر جنہوں نے امامؑ کو کوفہ بلانے کے لئے خطوط پر خطوط لکھے تھے، امامؑ کی جانب سے اتمام حجت ہونا بہت ضروری تھا اور ممکن تھا ان میں سے بعض اس حقیقت کی جانب توجہ کریں اور خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں کیونکہ ان حالات میں بھی جب خود امامؑ کی جان کو خطرہ تھا، پھر بھی امامؑ کا الہی اور عقلانی فریضہ یہی تھا کہ اس گمراہ جماعت میں سے اگر ایک فرد بھی ہدایت پاسکتا ہے تو اس کی ہدایت کا انتظام کریں۔ اسی بنا پر امامؑ اپنے خطبے میں دنیا کی ناپائیداری پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اے لوگو! یہ دنیا فانی اور زود گزر ہے، ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ صحیح معنوں میں فریب خوردہ اور نقصان اٹھانے والا وہ ہے جو دنیا کے فریب میں آجائے۔ چند روزہ دنیا پر فریفتہ ہونے والا حقیقی بد بخت ہے۔ دنیا کے فریب میں نہ آؤ۔ جس نے بھی دنیا پر بھروسہ کیا ہے وہ ناامید ہوا ہے۔ جس نے بھی دنیا کی طمع کی وہ اس سے محروم ہوا۔ تم لوگوں نے اس وقت میرے قتل پر ہم پیمان ہو کر خشم خدا کو برا بھلا سمجھنا کیا ہے۔ خدا نے تم سے منہ موڑ لیا ہے اور اپنے لئے غضب الہی کا راستہ کھول دیا ہے۔ کتنا اچھا ہے میرا خدا اور تم اس کے کتنے برے بندے ہو کہ خدا کی اطاعت قبول کرنے اور اس کے نبی پر ایمان لانے کے بعد، اسی نبی کے اہل بیت اور بچوں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ شیطان تم پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے خدائے بزرگ و برتر کی یاد تمہارے دلوں سے محو کر دی ہے۔ وائے ہو تمہاری فکر اور تمہارے ہدف پر۔ ہم تو خدا کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔“

امامؑ کے اس خطبے سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس پر خطر حالات میں بھی جب ان ستمگروں کے ہاتھوں آپؑ کا شہید ہونا حتمی تھا، آپؑ نے ان کی نجات و ہدایت کا کوئی دقیقہ فرو گزار نہیں کیا۔ یعنی اس وقت بھی آپؑ اپنے الہی اور عقلانی فریضے کی انجام دہی میں مصروف تھے چونکہ اہل کوفہ کی اکثریت دنیا کی بندگی میں غرق تھی اور وہ لوگ دنیاوی مال و متاع کی لالچ میں اموی لشکر کا حصہ بن کر ہاتھوں میں تنگی تلواریں لئے ہوئے امامؑ کے مقابل صف آرا تھے، لہذا امامؑ نے اپنے خطبے میں دنیا کی ناپائیداری اور اس کے زود گزر

ہونے کو ہی محور گفتگو قرار دیا۔ یعنی جس دنیا کی محبت میں اندھے ہو کر وہ قتلِ امام کے درپے تھے وہ دنیا زیادہ دیر باقی رہنے والی نہیں ہے۔ لہذا عقلانیت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگ خدائے باقی ولازوال سے لو لگاتے۔ امام علیہ السلام اہل کوفہ کے باطن کو اچھی طرح پہچانتے تھے، ان کے ماضی کی بے وفائیوں سے آگاہ تھے، آپ جانتے تھے کہ بعید ہے کہ اہل کوفہ ان حقائق کی جانب توجہ کریں، کیونکہ دنیا کے ظاہری حسن و جمال نے ان کی عقلوں اور دلوں کو اندھا کر دیا تھا لہذا امام علیہ السلام اہل بیت رسول کے مقام و مرتبے کا تعارف کرا کر اور رسول سے ان کی نسبت کو بیان کر کے اہل کوفہ کو آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ لوگ جان لیں کہ وہ ایک گناہِ عظیم کے مرتکب ہونے والے ہیں اور غضبِ الہی کو اپنا مقدر بنانے والے ہیں۔ ظاہری طور پر اگر دیکھا جائے تو امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے سامنے اس خطبے کو ارشاد فرمایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام نے اس خطبے میں قیامت تک کے انسانوں کو مورد خطاب قرار دیا ہے کہ جب کبھی وہ کسی انسان کا خون بہانے کے لئے میدان میں اتریں تو انہیں یہ غور کرنا چاہیے کہ وہ کس سے، کس لئے اور کس قیمت پر جنگ کر رہے ہیں۔ کسی بھی جنگ میں کودنے سے پہلے، جنگ کے فائدے اور نقصان کا موازنہ کرنا ضروری ہے یعنی کسی مظلوم یا بے گناہ کی جان لینے کے بدلے ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا؟

امام اپنے اس خطبے میں دیگر اہم نکات کو بیان کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام سے اپنی نسبت کو بھی بیان کرتے ہیں اور اہل کوفہ کو آگاہ کرتے ہیں تاکہ وہ جان لیں کہ انہوں نے اپنے رسولؐ کی ذریت پر تلوار کھینچی ہے:

”اے لوگو! بتاؤ میں کون ہوں اور کس کا فرزند ہوں؟ غفلت سے بیدار ہو اور اپنے کو سرنش کرو اور آنکھیں کھولو۔ کیا مجھے قتل کرنا اور میری حرمت کا پامال کرنا تمہارے لئے جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارے نبی کے وصی اور بھائی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں اس کا بیٹا نہیں ہوں جو سب سے پہلے خدا پر ایمان لایا اور سب سے پہلے نبی کی رسالت کی گواہی دی؟ کیا سید الشہداء ہمراہ ہمارے بابا علی کے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیار ہمارے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے ہمارے اور ہمارے بھائی کے بارے میں رسول خدا کی اس حدیث کو نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا میرے یہ دونوں نواسے جو انان جنت کے سردار ہیں۔ اگر تم ہماری باتوں کی تصدیق کرتے ہو تو جان لو یہ وہ حقائق ہیں کہ جس میں ذرہ برابر کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ روز اول سے میں نے

کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں خداوند جھوٹوں پر غضبناک ہوتا ہے اور جھوٹ کے نقصانات کو جھوٹ بولنے والے کے دامن میں ہی ڈال دیتا ہے۔ اگر تمہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں ہے تو مسلمانوں کے درمیان ابھی بھی اصحابِ پیغمبرؐ موجود ہیں۔ ان سے جا کر پوچھ لو۔ جابر ابن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہیل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک سے پوچھو، وہ تمہیں بتائیں گے۔ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسولِ خدا کی احادیث کو سنا ہے۔ یہی ایک جملہ تمہیں میرا خون بہانے سے روک سکتا ہے۔“

پھر امامؑ فرماتے ہیں:

”اگر میرے اور میرے بھائی کے متعلق احادیثِ پیغمبرؐ میں شک ہے تو کیا اس حقیقت سے بھی انکار کرتے ہو کہ میں تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا فرزند ہوں اور دنیا میں میرے سوا کوئی اور فرزند رسولؐ نہیں ہے؟ وائے ہو تم پر۔ کیا میں نے تمہارے کسی عزیز کو قتل کیا ہے جس کے بدلے تم مجھے قتل کر رہے ہو۔ کیا میں نے تمہارا کوئی مال لوٹا ہے یا تمہیں کوئی نقصان پہنچایا ہے جس کی تم مجھے سزا دے رہے ہو؟“

امام حسینؑ کے اس خطبے کا دوسرا حصہ عقلانی اور دینی حوالے سے ہدایت و معرفت کی آخری منزل پر ہے۔ خطبے کے اس حصے نے اہل کوفہ کی بہانہ تراشیوں کے سارے راستے بند کر دیے۔ البتہ اس خطبے میں اپنے حسب و نسب اور پیغمبرِ اسلامؐ سے اپنی نسبت کو بیان کرنے سے ہرگز امامؑ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ موجودہ خطرے سے نجات پا جائیں بلکہ آپؐ چاہتے تھے کہ اہل کوفہ پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ امامؑ کی منزلت اور پیغمبرؐ سے آپؐ کی نسبت کو بخوبی جانتے ہیں لہذا اب ان کے پاس کوئی ایسا سیاسی، قانونی اور سماجی عذر نہیں رہ جاتا کہ جس کی وجہ سے وہ قتلِ امامؑ کو اپنے لئے جائز ٹھہرا سکیں۔ اہل کوفہ کی نگاہ سے حتیٰ اگر فرض کیا جائے کہ خلیفہ کے خلاف قیام کرنے والے اور آواز اٹھانے والے مہدور الدم ہیں اور ان کا

۱۔ الارشاد، ص ۲۳۵

۲۔ مقتلِ الحسین (جلد ۱)، ص ۲۵۲؛ بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، ص ۱۸۸

خونِ حلال ہے تو یہ کام امام سے پہلے خود کوفہ والوں نے انجام دیا تھا یعنی سب سے پہلے خود اہل کوفہ ہی تھے جنہوں نے خلیفہ کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور امام کو اپنی قیادت کے لئے دعوت دی تھی تاکہ امام کوفہ آئیں اور انہیں بنی امیہ کے ظلم و ستم سے نجات دلائیں۔ اس منظر سے اگر دیکھا جائے تو پھر امام کا یہ اصلاحی قیام کسی عنوان سے بھی ایسا جرم نہیں ہے جس کے باعث آپ کا خون مباح کر دیا جائے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کا یہ خطبہ عقل و منطق کے اس مقام پر ہے کہ جس کے جواب میں اہل کوفہ کے پاس اب کہنے کے لئے کچھ نہیں بچا ہے یعنی امام کے اس خطبے نے ان کے سارے عذر و بہانوں کو خاک میں ملا دیا۔

عاشورہ کے روز امام کا دوسرا خطبہ

عاشورہ کے دن امام نے دوسرا خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب عمر سعد نے امام کے مقابل اپنے لشکر کو صف آرا کیا، جنگ کی ڈھول و تاشے سے فضا گونج رہی تھی اور دشمن کا لشکر دونوں طرف سے اہل بیت کے خیموں کا محاصرہ کر کے امام پر یلغار کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ ایسے حالات میں امام حسینؑ اپنے لشکر سے باہر آئے اور اہل کوفہ کو خطاب کر کے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ لوگ اسی طرح شور و غل کرتے رہے تاکہ امام خطبہ نہ دے سکیں۔ لیکن امام نے پھر بھی انہیں خاموش رہنے کی نصیحت کر کے فرمایا:

”وایے ہو تم پر! تم خاموش کیوں نہیں ہوتے تاکہ میں اپنی وہ بات کہہ سکوں کہ جس میں تمہاری ہدایت و سعادت ہے۔ جان لو! جو میری پیروی کرے گا وہی سعادت و خوشبختی سے ہمکنار ہوگا اور جو ہماری مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہونے والوں میں ہوگا۔ تم سب کے سب عاصی اور سرکش ہو، ہمارے حکم کی مخالفت کرتے ہو اور ہماری گفتگو کو سن نہیں رہے ہو کیونکہ تمہاری جھولیاں حرام تحفوں سے پر ہیں اور تمہارے شکم حرام غذاؤں سے بھرے ہوئے ہیں لہذا اللہ نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ وایے ہو تم پر! کیا تم خاموش نہیں ہو گے تاکہ میری باتوں کو سن سکو۔“

امام حسینؑ کی اس سرزنش کے بعد، لشکرِ عمر سعد کے سپاہی ایک دوسرے کی ملامت کرنے لگے کہ تم لوگ کیوں نہیں خاموش ہوتے اور پھر ایک دوسرے کو خاموش کرانے لگے۔ جب کوفہ والے کچھ خاموش ہوئے تو امامؑ نے فرمایا:

”اے لوگو! اے ذلت و خواری کے پیچڑ! حسرت و یاس تمہارا مقدر ہو۔ پہلے تو تم نے بڑے شوق سے اپنی نصرت و مدد کے لئے مجھ سے فریاد کی اور جب میں فریاد سن کر تمہاری مدد کے لئے تم تک آگیا تو تم لوگ اپنی تلواریں سونت کر اب ہمارے ہی قتل کے درپے ہو۔ فتنے کی جس آگ کو دشمن نے بھڑکایا تھا اب اس آگ میں مجھے ہی جلانا چاہتے ہو؟ اپنے دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہو اور اپنے قائد و رہبر سے رخ موڑ لیا ہے؟ جب کہ دشمنوں نے نہ ہی اب تک تمہیں کوئی فائدہ پہنچایا ہے اور نہ ہی آئندہ ان سے کسی نفع اور فائدے کی امید ہے۔ سوائے دنیا کے ان چند سکون کی خاطر جو تمہیں اب تک ملے ہیں یا اس ذلت بار زندگی کی مختصر آسائش کے خاطر کہ جس کی تمہیں لالچ دی گئی ہے۔

ذرا آہستہ! وائے ہو تم پر کہ تم نے ہم سے منہ موڑ لیا اور میری مدد کرنے سے دستبردار ہو گئے جب کہ نہ تو مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے اور نہ ہی تم نے مجھ سے کسی باطل عقیدے کا مشاہدہ کیا ہے۔ جب شمشیریں نیام میں تھیں، دل آسودہ تھے اور حالات معمول پر تھے تو تم لوگ ٹڈیوں کی مانند ہر جانب سے ہم پر ٹوٹ پڑے اور پروانوں کی طرح ہمارے گرد منڈلانے لگے۔ تمہارا بخت سیاہ ہو کہ تم لوگوں نے ایک سرکش امت اور فاسد جماعت کی طرح قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ تم شیطان کے چیلے اور جرم و جنایت کے متوالے ہو، کتابِ خدا میں تحریف کرنا اور سنتِ رسولؐ کو پامال کرنا تمہارا شیوہ ہے، تم اپنے نبیؐ کی ذریت کے قتل پر آمادہ ہو اور وصیؑ کی نسل کو مٹانا چاہتے ہو۔ تم لوگ بد نسب کو نسب والا بنانے والے اور مومنوں کو تکلیف پہنچانے والے ہو۔ دین اور مذہب کا مضحکہ اڑانے والے ہو اور تم سب مل کر قرآن کا مذاق اڑانے پر تلے ہوئے ہو... ہوشیار رہو! خدا کی قسم اس جنگ کے بعد تمہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ تم اپنی آرزو کو پورا ہوتا دیکھ سکو۔ تم جب تک اپنے گھوڑوں پر سوار ہو تب تک خوش ہو لو کہ عنقریب تمہارے حالات اس قدر

دگرگوں ہونگے کہ تم حالات کی چکی میں پس کر رہ جاؤ گے۔ بے شک یہ وہ پیشنگوئی ہے جسے ہمارے بابا علیؑ نے ہمارے جد رسول خداؐ سے نقل کیا ہے۔ تم اپنے شرکا کو بلا لو اور اپنے باطل فیصلے کو عملی کر لو اور جو جی چاہے کر گزرو اور مجھے کسی طرح کی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد پروردگار پر ہے جو میرا اور تمہارا سب کا خدا ہے اور کوئی زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس پر اس کا قبضہ نہ ہو۔“

امامؑ کا دوسرا خطبہ کافی مفصل ہے۔ امامؑ نے اس خطبے میں حقائق کو روشن کرتے ہوئے اہل کوفہ پر حجت تمام کر دی۔ اس خطبے کے بعض جملوں میں اہل کوفہ کے باطل عقائد اور ان کے سیاہ انجام کو بھی آشکار کیا گیا ہے جیسے کہ امامؑ کا اس بات پر زور دینا کہ حرام لقمے اور حرام غذاؤں سے پیٹ بھرنے کے باعث ان کے کان اس قدر سنگین ہو چکے ہیں کہ حق کی باتوں کو سننے کے قابل نہیں ہیں۔ امام علیہ السلام نے ان جملوں میں اہل کوفہ کے گذشتہ کرتوت اور معاویہ کے سکون کی کھٹک کو یاد دلاتے ہوئے، ان کے ماضی کی بے وفائیوں کے اسباب سے بھی پردہ کشائی کی ہے کہ ان لوگوں نے کس طرح معاویہ کی جانب سے ملنے والے چند سکون کی خاطر مولائے کائنات اور امام حسنؑ کی عادلانہ حکومت کو چھوڑ کر معاویہ کے پرچم تلے اکٹھا ہو گئے۔ گویا آج پھر تاریخ دہرائی جا رہی ہے اور ایسے لوگوں کو دنیا نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ یہ حق کو دیکھنے سے معذور ہیں۔

نیز امامؑ نے اس بات کی تشریح کر دی کہ اہل کوفہ میں اتنا شعور کیوں نہیں ہے کہ وہ پاسداران وحی خصوصاً امام حسینؑ کی شخصیت کو پہچان سکیں کہ جن کی شخصیت اور فضیلت کے بارے میں وہ بارہا پیغمبرؐ سے سنتے رہے ہیں۔ دوسرا اہم نکتہ جو اس خطبے میں ہے وہ یہ کہ امامؑ نے بارہا اس بات پر تاکید کی ہے کہ آپ خود نہیں آئے ہیں بلکہ اہل کوفہ کے دعوت ناموں کے سیلاب نے امامؑ کو آنے پر مجبور کیا۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل کوفہ کے لئے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ جب تم لوگوں نے خود ہی خط لکھ کر اپنی مدد کے لئے مجھے بلایا ہے تو پھر اب اپنے کئے ہوئے وعدوں کے خلاف کیوں جا رہے ہو۔ آخر میں امام علیہ السلام اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیتے ہیں کہ اس جنگ میں آپ اور آپ کے اصحاب کا شہید ہونا آپ کے لئے سب سے بڑی

سعادت ہے کیونکہ میدانِ جنگ میں اپنے دشمن کو قتل کر دینا ہی کامیابی نہیں ہے بلکہ حق کی راہ میں خواہ ہم قتل کریں یا قتل ہو جائیں، ہر حال میں ہم کامیاب ہیں۔ شکست ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ امام حسینؑ اپنے خطبے کے آخری جملوں میں اہل کوفہ کے دنیوی اور اخروی انجام کے بارے میں بھی پیشگوئی کرتے ہیں۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جیسا امامؑ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ آپ اور آپ کے اصحاب کے قاتل جن غیر انسانی جرائم کے مرتکب ہوئے تھے، مختار ثقفی کے ہاتھوں اسی انداز میں اپنے انجام کو پہنچے۔

امامؑ کا آخری خطبہ

امام حسینؑ کے دوسرے خطبے کے بعد جنگ شروع ہو گئی، امامؑ کے باوفا اصحاب ایک ایک کر کے میدان میں گئے اور پوری شجاعت و بہادری کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا، یہاں تک کہ سپاہِ امامؑ کے علمدار حضرت عباس بن علی جو دریائے فرات پر پانی لینے گئے تھے تاکہ بچوں کی پیاس بجھا سکیں، انہیں بھی دریائے فرات سے واپسی پر شہید کر دیا گیا۔ اب جب کہ امامؑ بالکل اکیلے رہ گئے اور اہل بیت کی تنہا امید آپ تھے، آپ خیمے میں واپس آئے اور اہل حرم کو خطاب کر کے فرمایا:

”رنج و غم اور مصیبتوں کے لیے تیار ہو جاؤ، جان لو کہ خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے جو عنقریب دشمنوں کے شر سے تمہیں نجات دے گا اور تمہارا انجام ختم بخیر ہوگا۔ یہ دشمن تمہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا لیکن خدائے وحدہ لا شریک تمہاری ان مصیبتوں کے عوض تمہیں طرح طرح کی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازے گا۔ پس گلہ اور شکوہ نہ کرو، ایسے الفاظ اپنی زبان پر نہ لانا جس سے تمہارے صبر و پائیداری کی قدر کم ہو جائے۔“

امام علیہ السلام نے اپنی اور اپنے باوفا اصحاب کی عورتوں اور بچوں کو اس وقت یہ اطمینان دلایا جب وہ تنہائی کے خوف اور خیموں کے غارت ہونے کے ڈر سے مضطرب و پریشان تھے چونکہ امامؑ ان کے حالات سے آگاہ تھے اور آپ جانتے تھے کہ انہیں قتل نہیں کیا جائے گا اور اللہ کی مرضی بھی یہی تھی کہ رسول اللہ کے اہل بیت خصوصاً جناب زینب سلام اللہ علیہا اور امام زین العابدینؑ (جو کہ اس وقت بیماری کی وجہ سے جنگ کرنے

۱۔ مقرر، سید عبدالرزاق، مقتل الحسین، ص ۳۳۷؛ سخنان امام حسین از مدینہ تا کربلا، ص ۳۳۰

سے معذور تھے) اس واقعہ کے بعد بھی زندہ رہیں تاکہ اپنے خطبوں کے ذریعہ قیامِ عاشورہ کے حقائق کو دوسری نسلوں تک منتقل کریں۔

ایسا لگتا ہے کہ امامؑ کی انہیں نصیحتوں کے باعث جناب زینب (س) نے جن کے کاندھوں پر اسیروں کی قیادت اور پاسداری کی ذمہ داری تھی، جب اہل کوفہ کے سامنے خطبہ دیا یا جب عبید اللہ بن زیاد کی بیہودہ گوئی کے جواب میں لب کشائی کی تو آپ (س) کی گفتگو نہایت معقول و مدلل اور مد مقابل کو رسوا کر دینے والی تھی۔

امام حسینؑ، امام سجادؑ کو ضروری نصیحتیں کرنے کے بعد رخصت ہوئے اور میدانِ جنگ میں آئے اور رجز کے طور پر جو اشعار پڑھے اس میں اس بات پر تاکید کی کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ننگ و عار سے بھری زندگی جینے سے بہتر ہے اور اس چند روزہ دنیا میں رسوا ہونا جہنم کی آگ سے بہتر ہے۔ دورانِ جنگ جب آپ دشمن سے تن بہ تن مقابلہ کر رہے تھے، لشکرِ عمر سعد کے کچھ سپاہی آپ کو روجی تکلیف پہنچانے کے لئے جب آپ کے خیموں کی جانب بڑھے، تب آپ نے ان لفظوں میں انہیں لاکارا:

”اے آلِ ابی سفیان کے شیعو اور اس کے چاہنے والوں! اگر تمہارے پاس دین نہیں ہے تو کم سے کم اپنی دنیا میں آزاد مرد بنو۔ اگر خود کو عرب سمجھتے ہو تو کم سے کم اپنے بزرگوں کی سیرت پر چلو اور انسانی شرافت کو پامال نہ کرو۔“

امامؑ کا یہ خطاب درحقیقت ایک عالمی منشورِ آزادی و آزادگی ہے جسے امامؑ نے عصرِ عاشورہ بیان کیا۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان بے دین بھی ہے تو پھر بھی اسے آزاد مرد رہنا چاہیے اور انسانیت و شرافت کا احترام کرنا چاہیے۔ اسی طرح آپ کی زندگی میں لشکرِ عمر سعد کا اہلبیت کے خیام کی جانب حملہ کرنا، عمر سعد کے سپاہیوں کی پستی و رذالت کی نشان دہی کرتا ہے کہ دین صرف ان کی زبانوں پر تھا اور حقیقت دین اور آدابِ انسانیت سے وہ بالکل بے بہرہ تھے۔ امامؑ کے اس کلام سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بشر کے لئے اللہ کا سب سے بڑا ہدیہ آزادگی ہے جس کی حفاظت ہر حریت پسند انسان کا اولین فریضہ ہے۔ اسی حریت و آزادی کی راہ میں شہید ہونے والے انسانِ اعظم کا نام حسین بن علیؑ ہے۔

نتیجہ:

امام حسینؑ کی تحریکِ عاشورہ میں مختلف پہلوؤں سے عقلائییت کا عنصر پایا جاتا ہے جیسے تحریک کے اہداف اور ان اہداف تک پہنچنے کا طریقہ کار اور اسباب و وسائل جو کہ ایک دینی تحریک کے لئے بہت ضروری ہیں۔ امامؑ کے دینی فریضے اور قیام کے نتائج کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ امام حسینؑ کی نظر دو طرح کے نتیجوں پر تھی۔ ایک وہ نتائج جسے قیام کا ابتدائی اور فوری نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ دوسرے وہ نتائج جو آپ کے قیام و شہادت کے بعد حاصل ہونے والے تھے۔

قیام کے اہم ترین فوری نتائج میں سے اموی حکومت کی قانونی حیثیت پر ضرب لگانا اور خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنا تھا جیسا کہ قیام کے بعد لوگوں کی یہی بیداری سبب بنی کہ وہ بنی امیہ کی جاہلانہ سلطنت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جس سے ان کی حکومت کافی حد تک کمزور ہوئی۔ اور آخر کار قیام امامؑ کے تقریباً ستر سال بعد ان کا سلسلہ حکومت خاک میں مل گیا اور امامؑ کے اکثر و بیشتر قاتل بھی اپنے کیفرِ کردار تک پہنچے۔ تحریکِ عاشورہ کے طویل مدتِ نتیجوں میں سے ایک یہ تھا کہ دنیا کے تمام حریت پسند انسانوں خصوصاً شیعوں کے اندر ظلمِ ستیزی کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اسلامی معاشرے میں سنتِ نبوی و سیرتِ علوی دوبارہ زندہ ہونے لگی اور مسلمانوں کی طرز زندگی کو ایک نیا رخ ملا۔

امام حسینؑ کے دینی فریضے میں عنصر عقلائییت کی تشریح اس طرح ہوتی ہے کہ امام علیہ السلام ہر موقع پر سنتِ نبوی و قرآنِ کریم سے اپنے قیام کی تائید کرتے رہے یعنی ظلم و ظالمانہ حکومت کے خلاف آواز اٹھانا اور عدالت و آزادی کی راہ میں جدوجہد کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنا ایک ایسا عمل ہے جو تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ حتیٰ اگر فوری طور پر کوئی مادی نتیجہ حاصل ہونے کی امید نہ ہو پھر بھی ہر حریت پسند انسان خصوصاً مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے کہ وہ ظلم و ستم کے خلاف قیام کریں۔

منابع و مأخذ

- ❖ ابن اثیر، عزالدین علی بن محمد، الکامل، بیروت، ۱۳۸۷ق
- ❖ ابن طاووس، رضی الدین علی بن موسیٰ، لہوف، اسوہ، تہران
- ❖ بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، بیروت، ۱۳۹۷ق

- ❖ حرانی، حسن بن شعبه، تحف العقول، نشر آل علی، قم، ۱۳۹۴ ش
- ❖ خوارزمی، احمد، مقتل الحسین، انوار الهدی، تهران، ۱۳۶۷ ش
- ❖ مجلسی، باقر بن محمد تقی، بحار الانوار، چاپ اسلامیة، تهران، ۱۴۱۷ ق
- ❖ مفید، محمد بن محمد بن نعمان، الارشاد، دار الکتب الاسلامیه، تهران، ۱۳۸۸ ش
- ❖ مقرّم، سید عبدالرزاق، مقتل الحسین، مطبعة آداب، نجف، ۱۳۹۱ ق
- ❖ نجفی، محمد صادق، سخنان امام حسین از مدینه تا کربلا، بوستان کتاب، قم، ۱۳۹۳ ش